تدوینِ حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۲۰)

آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا

یا اخا بنی عامر سلنی عما قال اللہ ورسولہ فانا اھل البیت اعلم بما قال اللہ ورسولہ ابن سعد ص۲۶ ج۶	اے قبیلہ بنی عامر کے آدمی پوچھ مجھ سے ان امور کے متعلق جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے کیونکہ ہم گھر کے لوگ ہیں (یعنی رسول اللہ کے گھر کے آدمی ہیں) اللہ اور رسول کی باتوں کو زیادہ جانتے ہیں

آگے کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک طویل گفتگو مصنفِ سے آپ نے فرمائی جس کا ابن سعد نے ذکر نہیں کیا ہے۔ آخر ایک ہی شخص کے طرزِ عمل میں اختلاف اور اتنا شدید اختلاف بلا وجہ پیدا نہیں ہو سکتا، لوگ سوچتے نہیں ورنہ عام کتابوں میں آپ کا جو یہ قول نقل کیا جاتا ہے علامہ ذہبی نے بھی خزیمہ بن نصیر کے حوالہ سے اس کو تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے۔

قاتلھم اللہ ای عصابۃ بیضاء سودوا ای حدیث من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افسدوا	خدا انھیں غارت کرے کتنی روشن جماعت کو انھوں نے سیاہ کر دیا۔ اور رسول اللہ کی کتنی حدیثوں کو انھوں نے بگاڑ دیا۔

بلا شبہ اس میں کسی خاص جماعت کا آپ نے نام نہیں لیا ہے اور راوی نے چوں کہ حضرت سے ان الفاظ کو اس وقت سنا تھا جب صفین میں آپ معرکہ آرائی میں مصروف تھے، لیکن جن تفصیلات کو آپ اب تک سن چکے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا اس میں شک کی گنجائش ہے کہ آپ کا اشارہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے صحابیت کے خلاف طوفان اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیوں کی جیسی قدوسی جماعت کو رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی اور اپنے اسی ناپاک غرض کے حصول کے سلسلہ میں بے سروپا روایات کے جس ذخیرے کو مسلمانوں میں پھیلا دیا جن کی وجہ سے صحیح حدیثوں کا مسئلہ بھی مشتبہ ہوگیا، گیہوں کے ساتھ گھن بھی پیسا جلا جا رہا تھا یقیناً ان ہی دونوں فتنوں کے جو بانی تھے ان ہی کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔ بہرحال اس فقرے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی حدیثوں کے متعلق اشتباہی تاریکیاں جو پھیلا دی گئی تھیں اس کا آپ کو کس قدر افسوس تھا۔

پھر اسی دینی مصیبت کے مقابلہ میں اگر مذکورہ بالا تدبیر آپ نے اختیار فرمائی تو اس پر کیوں تعجب کیا جاتے؟ افسوس ہے کہ حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ کے متعلق آپ کے طرز عمل میں یہ تبدیلی جیسا کہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کوفہ پہنچنے کے بعد ہوئی لیکن کوفہ کے قیام کی مدت ہی کتنی ہے، کم و بیش یہ چار ساڑھے چار سال کا زمانہ ہے اور یہ چند سال حضرت کے جن حالات میں گذرے ہیں ان سے کون ناواقف ہے جمل کے فتنہ سے فارغ ہوکر کوفہ تشریف لائے پھر کیا ایک دن بھی آپ کو اس کے بعد چین سے بیٹھنے کا موقعہ ملا، زیادہ وقت تو صفین کی جنگ کے نذر ہوا، پھر خوارج نکل پڑے، الغرض شامیوں اور خارجیوں کی آویزش ہی میں یہ ساری مدت قریب قریب ختم ہوئی، اور اسی عرصہ میں جب فتنوں کا یہ سیلاب مختلف شکلوں میں برپا ہی تھا کہ آپ کی شہادت کا فاجعہ پیش آگیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس شخص کے عزم و استقامت کا یہ حال ہو کہ صفین کی مشہور خطرناک رات جس کا تاریخ میں لیلۃ الہریر کے نام سے تذکرہ کیا گیا ہے دونوں صفیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ گتھی ہوئی تھیں گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا لیکن لکھا ہے کہ رات کی نماز اور اوراد و وظائف کا وقت

اسی حال میں آگیا، کسی کو کسی کی خبر نہ تھی لیکن حضرت نے حکم دیا کہ نطع (چمڑے کا فرش) ٹھیک اسی مقام پر بچھا دیا جائے جہاں صف میں آپ کھڑے ہوئے تھے، حضرت والا گھوڑے سے اتر کر جا نماز پر اسی حال میں جم گئے دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ

فیصلی علیہ وردہ والسہام	اسی پر اپنے مقررہ وظائف آپ نے پورے کئے
تقع بین یدیہ وتمر صماخیہ یمینا	حالانکہ تیر ان کے آگے بھی گر رہے تھے اور کان کے
وشمالا فلا یرتاع لذلک ولا یقوم	پردوں کے سامنے دائیں بائیں گذر رہے تھے مگر
حتی یفرغ من وظیفتہ	دل میں کسی قسم کی دہشت پیدا نہیں ہوتی تھی اور
ص۹ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید	جب تک اپنے وظیفہ سے فارغ نہ ہو جاتے نہ اٹھتے

آپ کے عزم و ارادے کی یہی قوت تھی جس نے ان ہی حالات میں آپ کو آمادہ کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معلومات کا جو ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کی اشاعت ان روایتوں کے مقابلہ میں کی جائے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے سبائیوں نے مسلمانوں میں پھیلا دیا تھا۔

حیرت ہوتی ہے کہ کوفہ کے قیام کی اسی مختصر مدت میں بے اطمینانی اور انتشار و تشویش کے اسی ماحول میں خدا جانے کتنوں کو آپ نے قرآن مجید پڑھایا، اگر ایک طرف کوفہ کے مشہور قاری ابو عبدالرحمن السلمی کہا کرتے تھے۔

اخذت القراءۃ عن علی (ابن سعد ص۱۱۹)	میں نے قراۃ علی سے سیکھی

تو دوسری طرف ابوالاسود دؤلی جیسا کہ دنیا جانتی ہے، عربیت اور نحو و صرف کے بنیادی قواعد کے متعلق کہا کرتے تھے کہ حضرت علی ہی سے پہلی دفعہ ان کو میں نے سیکھا، اور ایک قرآۃ و عربیت کیا اسلام کی فقہ، اسلام کا تصوف حتی کہ مسلمانوں میں فن سپہ گری کے خاص رموز و اسرار کا انتساب حضرت والا کی تعلیم ہی کی طرف کیا جاتا ہے اور جہاں تک قرائن کا اقتضاء ہے استفادہ کرنے والوں نے زیادہ تر ان امور کا استفادہ آپ سے اسی زمانہ میں کیا ہے جب آپ کوفہ کی جھونپڑیوں میں مقیم تھے

لہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ کوفہ میں حالاں کہ قصر الامارہ موجود تھا لیکن حضرت امیر علیہ السلام نے کوفہ میں قیام کا جب
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بہرحال جو کچھ بھی ہو آپ نے اسی مختصر مدت میں اپنے ان معلومات کی اشاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رکھتے تھے جس وسیع پیمانے پر فرمائی اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ علاوہ صحابہ کے حافظ ابن حجر نے تہذیب میں صرف ان لوگوں کی فہرست جنھوں نے عموماً قیام کوفہ کے بعد آپ سے حدیثیں سنی ہیں تقریباً پچاس آدمیوں کا نام درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "وخلائق یعنی ان کے سوا بھی بہت بڑی جماعت آپ سے روایت کرنے والی ہے۔" (دیکھو تہذیب ج ۷ ص ۳۳۵)

اور واقعہ تو یہ ہے کہ ایک نہیں متعدد مجموعے جب اپنے دست مبارک سے لکھ لکھ کر آپ نے لوگوں میں تقسیم کئے تھے جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اس زمانے میں تحریری اشاعت کا جس کا یہ حال ہو، زبانی تقریراً روایتوں کے پہنچانے میں اس نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے۔

باطل کے مقابلہ میں حق کا یہ سیلاب جو آپ کی طرف سے بہایا گیا تھا یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے باطل کے زور کے توڑنے میں مدد نہ ملی ہوگی، لیکن آپ ہی سے ذہبی نے آپ کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں سے خطاب کر کے آپ فرمایا کرتے تھے۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون — انھیں باتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو جنھیں جانتے پہچانتے ہوں اور جنھیں نہ پہچانتے ہوں ان کو چھوڑ دو (تذکرہ ص ۱۲)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جعلی حدیثوں کی روایت کرنے کا جو سلسلہ جاری ہو گیا تھا اس کو روکنے کے لئے۔

۴۔ روایت کی تکثیر کا جو طریقہ بطور ردعمل کے اختیار کیا گیا تھا، غالباً کافی ثابت نہ ہوا، اسی لئے جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایک اور کسوٹی کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا، جس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح سے جو حدیثیں مطابق ہوں صرف ان ہی کو قبول کرنا چاہئے، اور قرآن جس دانش وعقل کو آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ارادہ فرمایا اور لوگوں نے قصر الامارہ میں فروکش ہونے کی آرزو کی تو آپ نے انکار فرمایا، اور رحبۃ الکوفہ (کوفہ کے شہری میدان میں) پھوس کی چند جھونپڑیاں جو پڑی ہوئی تھیں ان ہی میں اہل وعیال کے ساتھ آپ اتر گئے اور اسی حال میں آپ شہید ہوئے تھے۔ میں نے ان الفاظ کا قصداً اضافہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ اگر مطلق عقل کو معیار بنا لیا جائے تو ہر زمانہ کی عقل کا معیار مختلف ہوتا ہے بالکل ممکن ہے کہ آج سے سو سال پہلے کی عقل ایک چیز کو قبول نہ کرتی ہو لیکن سو سال بعد اسی کو قبول کرنے لگے۔ پس اصلی معیار حدیثوں کے رد و قبول کا قرآنی عقل کو قرار دینا چاہئے۔

جو چیزیں اس کے مخالف ہوں ان کو ترک کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ مطلب ان الفاظ کا اگر نہ لیا جائے اور ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، اس کا مآل تو پھر وہی ہوگا، جو کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا یعنی بالکلیہ حدیثوں کے سننے اور سنانے کے قصے کو ختم کر دیا جائے حالانکہ نہ خود اس پر آپ عامل تھے اور نہ عقلاً یہ بات آدمی کی سمجھ میں آتی ہے آنحضرت کی زندگی میں بڑے بڑے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود تھے۔ پھر کیا ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی ان ہی روایتوں کو تسلیم کرنا چاہئے جن سے تم پہلے سے واقف ہو، اور جن کا علم پہلے سے نہ ہو ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ حدیثوں کے ردّ و قبول کا ایک معیار مذکورہ بالا الفاظ میں آپ نے پیش کیا ہے اور یہ وہی معیار ہے جس پر آخر وقت تک محدثین عامل رہے میں تو سمجھتا ہوں کہ ابن جوزی نے یہ کلیہ بیان کرتے ہوئے کہ

کل حدیث رأیتہ یخالف العقول	جس حدیث کو تم پاؤ کہ عقول اور اصول کے مخالف
او ینا قض الاصول فاعلم انہ موضوع	ہے تو سمجھ لیا کرو کہ وہ موضوع یعنی جعلی اور گھڑی ہوئی ہے

اسی کی تشریح ان الفاظ میں جو کی ہے کہ

او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ	یا حدیث ایسی ہو کہ حواس و مشاہدہ اسے مسترد کردے
او مباینًا لبعض الکتاب والسنۃ	یا اللہ کی کتاب اور متواتر حدیث یا قطعی اجماع کے
المتواترۃ او الاجماع القطعی	مخالف ہو، یعنی کسی تاویل کی گنجائش اس حدیث
حیث لا یقبل شئ من ذلک	میں باقی نہ رہے۔
التاویل (فتح الملہم للعثمانی ص۱۶)	

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیش کردہ معیار ہی کی دوسری تعبیر ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مقدمہ صحیح مسلم میں ایک روایت یہ بھی جو منسوب کی گئی ہے کہ جعلی حدیثوں کے فتنہ کا تذکرہ کرکے آپ نے فرمایا کہ

لم نا خذ من الناس الا ما نعرف ص۱۳۸ ہم لوگوں سے نہیں لیتے مگر ان حدیثوں کو جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں۔

حالانکہ دوسری روایتوں میں ان ہی ابن عباس کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ اس فتنے کا تذکرہ کر کے کہتے تھے

ترکنا الحدیث عنہ اسی وجہ سے ہم نے حدیث کو ترک کر دیا

اگر تعددِ روایت پر ابن عباس کے ان دو مختلف بیانوں کو محمول کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے تو انھوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ آئندہ سے حدیثوں کے سننے سنانے کے قصے کو ختم ہی کر دیا جائے۔ لیکن پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس پیش کردہ معیار کو آپ نے قبول کر لیا اور اسی کے بعد یہ مسلک اختیار فرمایا کہ صرف ان ہی حدیثوں کو ہم قبول کریں گے جنہیں ہم پہچانتے ہوں یعنی ما نعرف کو قبول کریں گے، ابن عباس کے اسی قول کی شرح کرتے ہوئے الاستاذ العلامہ العثمانی نے بھی لکھا ہے کہ

ای ما یوافق المعروف او نعرف فیہ امارات الصحۃ وسمات الصدق یعنی مانوس جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے جو موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کے علامات پائے گئے۔

ص۱۳۸ فتح الملہم

اور یہ بعینہ وہی مطلب ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الفاظ سے نقیر سمجھا چاہتا ہے

واللہ اعلم بالصواب

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عجیب وغریب فتنے کے مقابلے میں جس کو اگر بڑھتے ہوئے یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تو پیغمبر کے صحابیوں اور پیغمبر کی حدیثوں دونوں کا معاملہ ایسے اشتباہی وساوس کا شکار ہو جاتا، جن کی تاریکیوں کا دور کرنا آسان نہ تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان ہی بے چینیوں اور پریشانیوں میں جن میں آپ کی خلافت کا پورا زمانہ ختم ہوا اس فتنے کی اہمیت کو محسوس کر کے علماً و عملاً آپ سے اس کے مقابلہ میں جس قسم کی کوشش ممکن تھی کرتے رہے جھوٹ کے مقابلہ میں صحیح معلومات کا جو ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کی اشاعت فرماتے رہے اور صحیح حدیثوں کو جعلی و مصنوعی روایتوں سے جدا کرنے کے لئے ایک ایسا علمی معیار مسلمانوں کے حوالہ آپ نے کیا

جو اسی زمانے میں نہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا آخر وقت تک اہل علم اس سے کام لیتے رہے اور آئندہ لیتے رہیں گے۔

لیکن سی کے ساتھ یہ ظاہر ہے کہ آپ کا پیش کردہ معیار بہر حال ایک علمی معیار ہے اس سے صحیح معنوں میں وہی لوگ زیادہ کام لے سکتے تھے یا اب بھی لے سکتے ہیں جن کے متعلق ابن دقیق العید نے یہ سچی بات لکھی ہے کہ

حصلت لھم لکثرۃ محاولۃ الفاظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھیئۃ نفسانیۃ وملکۃ قویۃ یعرفون بھا مایجوز ان یکون من الفاظ النبوۃ ومالایجوز صد۲ فتح الملہم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی کثرت استعمال اور ان کے برتنے میں مشغولیت کی شدت ان لوگوں میں ایک خاص قسم کا سلیقہ پیدا کردیتی ہے اور ایسی غیر معمولی حذاقت جس کی وجہ سے وہ اس کو پہچاننے لگتے ہیں کہ کون سے الفاظ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب درست ہو سکتا ہے اور کس کا انتساب درست نہ ہوگا

اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہی نہیں اسی زمانہ میں جس وقت یہ معیار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مسلمانوں میں پیش کیا گیا تھا جو اہل علم کا طبقہ تھا، وہ تو اس سے مستفید ہوا، گذر چکا کہ ابن عباس نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا تھا اور ابن عباس تو خیر ابن عباس ہی تھے واقعہ یہ ہے کہ کوفہ کو پایہ تخت خلافت مقرر کرکے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہاں جب قیام اختیار فرمایا تو اس سے پہلے اس شہر میں ایک گروہ ان بزرگوں کا پھیل چکا تھا جن کی تعلیم و تربیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں ہوئی تھی، یہ وہی لوگ تھے جن کو کوفہ میں پاکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا۔

اصحاب عبد اللہ سرج ھذہ القریۃ صد۲ ابن سعد ج۶	عبداللہ کی صحبت یافتہ لوگ اس آبادی (کوفہ) کے چراغ ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا کوفہ میں کم وبیش بیس سال تک قیام رہا تھا۔ اور ایک بڑا گروہ آپ کے تلامذہ کا کوفہ میں پیدا ہوگیا اہل علم کا یہ گروہ پہلے سے کافی صلاحیتوں کا مالک ہوچکا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تشریف فرمائی نے ان کے لئے وہی کام کیا جو سونے میں سہاگہ کرتا ہے۔ گویا ان کی علمی شراب دو آتشہ ہوگئی، اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی وعلمی قیادت کا بہت بڑا حصہ اس وقت تک کوفہ کے ان ہی بزرگوں کو حاصل ہے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دوسرے مسائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس غیر مترقبہ صحبت سے اسی طبقہ نے فائدہ اٹھایا تھا اسی طرح آپ نے حدیثوں کی جانچ کا جو معیار کوفہ والوں کو دیا۔ ایک طرف عبداللہ بن مسعود کے حلقہ کے مشہور رکن سلامنیہ کہتے تھے کہ

ان من الحدیث حدیثا له ضوء کضوء النهار تعرفه وان من الحدیث حدیثا له ظلمة کظلمة اللیل تنکره ص۱۲۹	حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن کی روشنی کے مانند پہچانی جاتی ہے اور ان ہی حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں کہ جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہے جس سے تم مانوس نہ ہوگے۔

یہ اور اس قسم کی بیسیوں عالمانہ باتیں ان بزرگوں سے کتابوں میں منقول ہیں جنہیں ابن مسعود سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد خوش قسمتی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت اتفاقاً کوفہ میں قیام کی وجہ سے میسر آگئی تھی لیکن اسی کوفہ میں حضرت والا کے اردگرد ایک اور طبقہ بھی جمع ہوگیا تھا جس کو اس ماحول سے استفادہ کا موقعہ نہیں ملا تھا، جو ماحول عہد فاروقی کے ولاۃ وحکام خصوصاً ابن مسعود

لہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فرمان کے ساتھ کوفہ بھیجا تھا کہ میں تم لوگوں کے پاس عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں میں نے یہ قربانی کی ہے کہ بجائے اپنے تم لوگوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے رہا ہوں، چاہئے کہ ان سے جو کچھ حاصل کرسکتے ہو حاصل کرو ابن مسعود اس فرمان کے ساتھ کوفہ آئے اور ایک حویلی بنا کر یہیں مقیم ہوگئے ۳۲ھ میں حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ واپس ہوئے اور مدینہ ہی میں وفات پائی تھ میرا اشارہ حنفی مذہب کی طرف ہے جو اس وقت تک روئے زمین کے مسلمانوں کی اکثریت کی دینی زندگی ہے۔ ۱۲

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت کوفہ میں پیدا ہوگیا تھا، زیادہ تر بادیہ عرب کے وہی سادہ دل سپاہی تھے جو مسلمان ہو ہو کر اسلام کی فوجی چھاؤنیوں میں جنگی اغراض کو پیش نظر رکھ کر آئے دن شریک ہوتے رہتے تھے، بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبائی جو عام مسلمانوں کے ساتھ گھلے ملے ہوتے تھے اور جس میں صلاحیت پاتے ان کو اپنے خاص خیالات سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ خیالات ہی ایسے تھے کہ جس قسم کی ذہنیت ان خیالات کے قبول کر لینے کے بعد پیدا ہوجاتی تھی اس معیار کے استعمال کی صلاحیت اس ذہنیت والوں میں باقی نہیں رہتی جو صحیح حدیثوں کو غلط روایتوں سے جدا کرنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو دیا تھا، خود حضرت علیؓ ہی کے متعلق ان کے خیالات عجیب وغریب تھے اور ان ہی خیالات کی بنیاد پر حضرت والا کے سامنے آپ ہی کو خطاب کر کے ایسی باتیں کہہ دیا کرتے تھے کہ ان کے ذکر سے قلم ہچکچاتا ہے اسی روایت سے اندازہ کیجئے جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے حبیب بن صہبان کے حوالہ سے لسان المیزان میں درج کیا ہے یعنی حبیب کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اسی سلسلہ میں ذکر دابۃ الارض کا بھی آپ کی زبان مبارک پر آیا اور آپ نے اس کے صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

تاکل بفیہا وتحدث باستہا　　منہ سے کھاتا ہے اور چوتڑ سے فضلہ نکالتا ہے

حبیب کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رشید ھجری رجو کوفہ کے فوجیوں میں ایک ممتاز اور نمایاں سپاہی تھا، عین خطبہ کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا، اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ

اشہد انک تلک الدابۃ[1] ص۴۶　　میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ دابہ تم ہی ہو،

---

[1] قرآن مجید کی سورۂ نمل کی مشہور آیت واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون میں دابہ کا لفظ جو آیا ہے اس کے متعلق مفسرین کی رائیں مختلف پہلوؤں سے اتنی مختلف ہیں کہ صاحب بحر کو لکھنا پڑا کہ انہم اختلفوا فی ماہیتہا وشکلہا ومحل خروجہا وعدد خروجہا ومقدار ما یخرج منہا وما تفعل بالناس وما الذی تخرج بہ اختلافا مضطربا معارضا بعضہ بعضا فاطرحنا ذکرہ لان نقلہ تسوید للورق وتضییع لزمان نقلہ۔ اسی لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کو مجمل رکھا ہے، ہم بھی مجمل ہی اس کو رہنے دیں۔ اسی سلسلہ میں بعض اسلامی فرقوں خصوصاً شیعوں کے بعض طبقات کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ رشید الھجری کا بھی غالباً یہی عقیدہ تھا ۱۲

افسوس ہے کہ حبیب نے اس کے بعد قصہ کو مختصر کر دیا۔ یعنی آگے صرف یہ بیان کیا کہ

فقال له علی قولا شدیدا حضرت علی نے یہ سن کر نہایت سخت بات رشید کو کہی

لیکن اس کی تشریح نہیں کی کہ وہ کیا سخت بات تھی۔

اسی رشید الہجری کے متعلق ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں الشعبی کے حوالے سے یہ واقعہ جو نقل کیا ہے، اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بادیہ عرب کے ان سادہ لوح سپاہیوں کی ذہنیت کتنی بگاڑ دی گئی تھی۔ قصہ تو طویل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شعبی کو ایک شخص رشید ہجری کے پاس لے گیا۔ اس شخص کے ساتھ الشعبی کو دیکھ کر خاص طریقہ سے رشید نے انگلیاں بند کیں، یہ ایک رمزی اشارہ تھا کہ یہ نیا آدمی ہماری جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا کوئی اجنبی شخص ہے۔ شعبی کو جو لے گیا تھا اس نے بھی انگلیوں کی بندش کے اشارے سے جواب دیا جس کا مطلب تھا کہ اپنا آدمی ہے، تب رشید نے قصہ سنانا شروع کیا

میں ایک دفعہ حج کے ارادے سے مکہ گیا، اور حج سے جب فارغ ہو گیا تو دل میں خیال آیا کہ امیر المومنین سے تازہ ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے مدینہ چلوں، یہ سوچ کر میں مدینہ پہنچا، اور حضرت علی کے دروازے پر حاضر ہو کر میں نے ایک آدمی سے کہا کہ اندر جا کر سید المسلمین سے عرض کرو کہ رشید الہجری ملاقات کی اجازت چاہتا ہے اس آدمی نے یہ سن کر کہا کہ وہ تو سوتے ہوئے ہیں (رشید کا بیان ہے کہ سید المسلمین کے لفظ سے اس آدمی نے سمجھا کہ میں امام حسن علیہ السلام مراد لے رہا ہوں اسی لئے ان کے سونے کی خبر اس نے دی) تب میں نے کہا کہ حسن سے اجازت لینے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ امیر المومنین امام المتقین، قائد الغر المحجلین کو اطلاع دو، کہ رشید ہجری حاضر ہوا ہے میرے ان الفاظ کو سن کر آدمی نے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کی تو وفات ہو چکی، تب میں نے اس شخص سے کہا کہ نہیں ان کا انتقال نہیں ہوا ہے وہ زندہ ہیں اور جیسے زندہ آدمی سانس لیتا ہے اسی طرح سانس لے رہے ہیں گرم کپڑا آپ کے سینے سے اس وقت سرابور ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ خیر سبب ابو محمد کے حقیقی راز سے تم واقف ہو تو آؤ اندر چلو حاضر ہو کر حضرت کو سلام کر کے

واپس ہو جانا، لیکن ان کو پریشان نہ کرنا۔[1]

الشعبی نے بیان کیا کہ رشید نے اس کے بعد دعویٰ کیا کہ میں امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا

فانبانی باشیاء تکونؑ (تذکرہ ج۱ ص۲۹ ، لسان ج۲ ص۴۶۱) پھر آئندہ پیش آنے والی بعض چیزوں سے مجھے حضرت علی نے آگاہ کیا۔

حافظ ابن حجر نے ابن حبان کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

کوفی کان یومن بالرجعۃ ص۴۶۱ وہ "الرجعۃ" کے عقیدے کو مانتا تھا

سمجھا آپ نے "الرجعت" کے اس لفظ کا مطلب ؟ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح کے مقدمہ میں اس کی تشریح ان الفاظ میں سفیان ثوری کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ

ان علیا فی السحاب فلا یخرج مع من یخرج من ولدہ حتی ینادی منادٍ من السماء یرید علیا انہ ینادی اخرجوا مع فلان ص۱۳۹

حضرت علی بادل میں ہیں پھر ان کی اولاد میں سے کسی شخص کے ساتھ لوگ نکلیں گے، جس کے متعلق آسمان سے آواز دینے والا آواز دے گا کہ فلاں کے ساتھ نکلو آسمان سے آواز دینے والے سے مراد حضرت علی کی ذات ہوتی تھی۔

سمجھا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی عقلی اور ذہنی سطح اتنی پست اور دماغی حال جن کا اتنا زبوں ہو صرف یہی نہیں کہ شہید ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی واپسی کی اسی دنیا میں جو منتظر بنائے جا سکتے ہوں بلکہ منوانے والوں نے جن سے یہ تک منوا لیا ہو کہ حضرت بادل میں چھپے ہوئے ہیں بھلا ایسے سادہ لوحوں کے لئے صحیح اور غلط روایتوں کی تمیز کا وہ معیار کیا کارآمد ہو سکتا تھا جس کے استعمال کے لئے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خاص قسم کی خداقت اور نبوی الفاظ کے شناخت کی خاص بصیرت ہونی چاہئے قرآنی کلیات اور اسلامی روح سے مناسبت اور عدم مناسبت کا پتہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۷۹ میں اور لسان المیزان ج۲ ص۴۶۱ میں شعبی کے حوالہ سے رشید ہجری کا بیان نقل کیا گیا ہے دونوں کتابوں کی عبارت میں اجزاء کی کمی و بیشی پائی جاتی ہے میں نے دونوں کتابوں کی عبارت کو پیش نظر رکھ کر رشید کے بیان کا یہاں ترجمہ درج کر دیا ہے ۱۲

ان غریبوں کو کیا چل سکتا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر پیدا کرنے والوں نے اس عقیدے نمک کو پیدا کر دیا تھا، حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں ان ہی لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ھم معتقدون الھیۃ علی	وہ حضرت علی کے متعلق اس کا اعتقاد رکھتے ہیں
لسان صفحہ ۲۹۰ جز ۳	کہ وہ خدا تھے۔

سارے قصے یعنی وفات کے بعد آپ سے ملاقات کا توقع، آئندہ ہونے والے واقعات سے حضرت کا انتقال ہونے کے بعد آگاہ کرنا اور بادل پر سوار ہو کر فضائے آسمانی میں اس لئے گھومتے رہنا کہ اپنی اولاد میں سے جس کسی کی رفاقت پر لوگوں کو آپ آمادہ فرمانا چاہتے تھے جب وہ اٹھ کھڑا ہو تب بادل ہی سے لوگوں کو آواز دینا کہ میری اولاد میں سے یہ شخص جو کھڑا ہوا ہے، ساتھ دینے والوں کو چاہئے کہ اب اس کا ساتھ دیں شاید الوہیت ہی کے اس عقیدے کے شاخسانے تھے جو عام طور پر بادیہ عرب کے ان سادہ دل فوجیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہ کوئی ایک دو آدمی ہی نہیں تھے یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ

قد رای الشعبی رشید الھجری	شعبی نے اس گروہ کے لوگوں میں رشید ھجری
وحبۃ العرنی واصبغ ابن نباتۃ	حبۃ العرنی اور اصبغ بن نباتہ کو دیکھا تھا کسی چیز
لیس یساوی ھولاء شیئا	کے برابر نہیں تھے (یعنی ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی)

صفحہ ۴۶۰ جز ۲ لسان

بلکہ ان ہی عامر الشعبی جو حدیث اور فقہ دونوں کے امام الائمہ تابعی ہیں، ان کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس قسم کے تمام لوگوں کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے اور "اصحاب علی" کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کرتے تھے ان کے متعلق شعبی عموماً اچھے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے زکریا بن ابی زائدہ نے جو شعبی کے مشہور تلامذہ میں ہیں ایک دفعہ پوچھا بھی کہ

مالک تعیب اصحاب علی وانما	آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ "اصحاب علی" کی طرف عیوب
علمک عنھم	منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ کا علم ان ہی سے ماخوذ ہے

(باقی آئندہ)